علماء—دعوت دین اور خدمت خلق کی ذمہ داری

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ایمان کی دعوت دیں ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ (الشعراء:۲۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق قریش کی شاخ بنو ہاشم سے تھا، بنو ہاشم اور بنو مطلب مکہ کے قبائلی نظام میں ہمیشہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہتے تھے، یہ باہمی نفرت وتعاون کا تعلق زمانۂ جاہلیت میں بھی تھا اور زمانۂ اسلام میں بھی رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم خداوندی کی تعمیل کے لیے یہ تدبیر کی کہ ان کے لیے دعوتِ طعام کا نظم کیا، انھیں کھانا کھلایا اور کھلانے کے بعد ان پر اسلام پیش کیا، ابولہب نے تو اس قبول کرنے سے علانیہ انکار کر دیا، دوسرے لوگ خاموش رہے، لیکن حضرت علیؓ نے—جو اس وقت کم عمر تھے—آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا، اس سے معلوم ہوا کہ خدمتِ خلق کسی گروہ تک پہنچنے کا مؤثر ذریعہ ہے اور اپنے جائز اور بہتر مقاصد کے لیے انسانی خدمات کے وسائل کو اختیار کرنا عین سنت نبوی ہے، یہ تقاضا دین کے خلاف نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرما جانے کے بعد مکہ میں ایک موقع پر سخت قحط آیا، سارے لوگ اس سے پریشان تھے، اہل مکہ کی عداوت کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی اور اس عداوت کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطیر رقم مکہ کے قحط زدہ لوگوں کی مدد کے لیے روانہ فرمائی اور بھیجا بھی ابوسفیان اور صفوان بن اُمیہ کے پاس اس وقت اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ ظاہر ہے اس میں انسانی ہمدردی کے ساتھ ساتھ یہ فکر بھی کار فرما تھی کہ اہل مکہ کے دل کی زمین اسلام کے حق میں نرم اور بار آور ہو۔

قرآن مجید نے اسی مقصد کے لیے زکوٰۃ کا ایک مستقل مد ''مؤلفۃ القلوب'' کو بتایا ہے، یعنی غیر مسلموں کو ترغیب اور نو مسلموں کو دین پر استقامت کے لیے مالی مدد دینا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت میں سے بھی غیر مسلموں کی گاہے گاہے مدد فرمایا کرتے تھے، حدیث وتفسیر کی کتابوں میں اس طرح کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ معروف کی دعوت اور منکرات سے روکنے کے لیے انسانی خدمت بھی بہت بڑا ذریعہ ہے اور بہتر مقاصد کے لیے اس ذریعہ کو استعمال کرنا عین منشاء نبوی ہے، اولاً تو مسلمان خدمت خلق کے کاموں میں بہت پیچھے ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں، ان میں علماء کا حصہ بہت کم ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خدمتِ خلق کے جو کام مسلمانوں کی جانب سے ہو رہے ہیں، ان کو لوگ محض تجارتی بنیاد پر کرتے ہیں اور کسب معاش کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں، اس سے کوئی دینی اور دعوتی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

مثلاً موجودہ دور میں خدمت خلق کے دو اہم ذرائع ''علاج اور تعلیم'' ہیں، مسلمانوں کے ہسپتال کم ہیں، لیکن جو ہیں، وہ کمرشل بنیاد پر کام کرتے ہیں، مریض مانوس تو کیا ہوگا، مالی گراں باری اور ہسپتال کے لوگوں کے رویہ کی وجہ سے الٹا اثر

لے کر جاتا ہے، ہماری جو تعلیم گاہیں ہیں، ان کا بھی یہی حال ہے، تعلیمی معیار کے پست ہونے کی شکایت عام ہے، ذمہ داروں کا رویہ ایسا ہے کہ غیر مسلم تو کیا بہت سے مسلمان بھی بعض درس گاہوں کے نام سے گھبراتے ہیں اور تجارتی ذہن ان سب سے سوا ہے، یقیناً بعض دواخانے اور درس گاہیں اس سے مستثنیٰ بھی ہیں، لیکن ان کی مقدار آٹے میں نمک کی سی ہے، اس کے برخلاف عیسائی مشنریز ان ہی دواخانوں اور تعلیم گاہوں کو نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے استعمال کر رہی ہیں اور اس میں انھیں کامیابی بھی حاصل ہو رہی ہے، اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے یہاں یہ ادارے مذہبی عناصر، مذہبی مقاصد اور تبلیغی تحریک سے مربوط ہیں، اس لیے وہ اپنی خوش اخلاقی اور مروت ورواداری کی وجہ سے لوگوں کے دل بھی جیتتے ہیں، اگر وہ کچھ لوگوں سے پیسے وصول بھی کرتے ہیں تو ایک بہت بڑے غریب طبقہ پر اپنے مقاصد کے لیے انھیں خرچ بھی کرتے ہیں اور اس طرح خدمتِ خلق کے ان اداروں کو سکہ ڈھالنے کی مشین بنانے کی بجائے افکار واذہان کو اپنے سانچہ میں ڈھالنے کی مشین بنائے ہوئے ہیں۔

اس وقت علماء نے عام طور پر مساجد و مدارس، دارالافتاء ودارالقضاء اور وعظ وتقریر نیز تصنیف وتالیف کی ذمہ داریاں سنبھال رکھی ہیں، یقیناً یہ بہت اہم کام ہیں، لیکن عام مسلمانوں اور غیر مسلموں تک رسائی اور ان تک اللہ کے دین کو پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ علماء خدمتِ خلق کے میدان میں اُتریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو بھی اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں، اس سے دو بڑے فائدے ہوں گے، ایک یہ کہ ان کاموں کا تجارتی رُخ بننے کی بجائے جذبۂ خدمت کی کیفیت ان میں زیادہ نمایاں ہوگی اور غریب و پسماندہ لوگوں کو اس سے فائدہ اُٹھانے کا موقع مل سکے گا۔ اس کی مثال دینی مدارس ہیں، آج دینی مدارس جتنے کم اور واجبی اخراجات میں عام لوگوں تک علم کی روشنی پہنچا رہے ہیں، اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ ان اداروں کے خدام خدمتِ دین اور خدمتِ قوم وملت کے جذبہ سے اس کام کو انجام دیتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ ادارے دعوتی اور تبلیغی کام میں معاون بن سکیں گے، نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ غیر مسلم بھائیوں میں بھی کام کا موقع بہم پہنچے گا اور اسلام جس جذبہ کے تحت خدمتِ خلق کے کام کی تائید کرتا ہے، اس جذبہ کے مطابق خدمت انسانیت کا کام ہوگا، یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے اور علماء کو اس جانب توجہ کرنا چاہیے، بحمد اللہ کہیں کہیں علماء نے اس سلسلہ میں قدم بڑھائے ہیں، فنی تعلیم کے ادارے قائم کیے ہیں، عصری تعلیم کی درس گاہیں قائم کی ہیں، یا ہسپتال کھولے ہیں، وہاں یہ بات محسوس کی جارہی ہے کہ ان درس گاہوں میں پڑھنے والے طلبہ اپنے فن میں کامیابی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب وثقافت کے بھی حامل ہیں، ان کی وضع قطع اور طور وطریق سے مذہبیت نمایاں ہے، ان میں جذبۂ خدمت ہے، نسبتاً خدا ترسی کی کیفیت ہے، جو غیر مسلم طلبہ ان درس گاہوں میں آتے ہیں وہ بھی اسلامی اخلاق کے بارے میں اچھے تصور کے ساتھ واپس ہوتے ہیں، اگر ملک کے مختلف علاقوں میں علماء خدمتِ خلق کے ادارے قائم کریں، قدرتی حادثات کے مواقع پر ریلیف کے کاموں میں آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اپنے اس کام میں اسلامی اخلاق، جذبۂ خدمت اور مقصدِ دعوت کو ملحوظ رکھیں، تو اس کے نہایت ہی گہرے اثرات مرتب ہوں گے اور جیسے علماء نے مساجد و مدارس کے واسطہ سے عوام میں رسوخ حاصل کیا ہے کہ مسلمانوں کی کوئی تحریک ان کی شمولیت کے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو پاتی، اسی طرح غیر مسلم بھائیوں اور دین سے بے بہرہ مسلمانوں میں

بھی وہ رسائی حاصل کرلیں گے۔

علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء اصل میں غیر مسلموں کو اللہ کی طرف بلانے کے لیے آئے تھے، قرآن میں مختلف انبیاء اوران کی اقوام کے واقعات کو پڑھ جاتے، ہر جگہ اس عہد کے غیر مسلم ہی ان کے اولین مخاطب نظر آتے ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے امام وخطیب بھی تھے، مقدمات کے فیصلے بھی فرماتے تھے، لوگوں کے سوالات پر فتوے بھی دیتے تھے، احکام واخلاق کے درس بھی دیتے تھے، میدانِ کارزار کے سپہ سالار اور مملکت اسلامی کے قائد یا تدبیر بھی تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مشن گم گشتہ راہ بندوں کو اللہ کی طرف بلانا تھا، اسی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں میں اپنے مالک کے سامنے دستِ التجا پھیلاتے تھے، اور دن میں بندگانِ خدا کی خوشامد کرکے انھیں اللہ کی طرف بلاتے تھے، مکہ کی تیرہ سالہ زندگی کی ہر ساعت اسی مہم میں گذری، پھر صلح حدیبیہ کے بعد سے وفات تک آپ اسی کام میں لگے رہے کسی قبیلہ میں خود جاتے، کہیں اپنے رفقاء کو بھیجتے اور بہت سے قبائل وہ تھے جنھوں نے خود اپنے وفود خدمت اقدس میں بھیجے، فتح مکہ کے بعد ان وفود کی ایسی کثرت ہوئی کہ سن نو ہجری کا نام ہی ''عام الوفود'' قرار پایا۔ پس، انبیاء کی میراث میں یقیناً غیر مسلم بھائیوں تک دعوت حق پہنچانا بھی شامل ہے، اسلام میں ایسی کوئی تقسیم نہیں کہ جب تک مسلمان پوری طرح نیک وصالح نہ بن جائیں، اس وقت تک غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت نہ دی جائے یہ بات نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں، نہ صحابہ وسلف صالحین نے اس سوچ کے ساتھ کبھی کام کیا۔ غور کیجیے! کہ اُمت مسلمہ میں فرق باطلہ کا ظہور حضرت عثمان غنی رضی اللہ علیہ کے آخری عہد میں شروع ہوا اور عہد عباسی تک یہ فتنہ بڑھتا ہی گیا، نیز فلاسفہ یونان کی کتابوں کے عربی زبان میں منتقل کیے جانے اور بہت سے مجوسیوں کے نیم دلی کے ساتھ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے الحاد و دہریت کی ایک نئی بلا مسلمانوں میں داخل ہونی شروع ہوئی، لیکن اسی عہد میں مسلمانوں نے دور دراز علاقوں تک اسلام کی دعوت پہنچائی، انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ جب تک موجودہ مسلمانوں کی پوری طرح اصلاح نہ ہوجائے اور فرق باطلہ کا استیصال نہ کرلیا جائے، اگلے محاذ پر توجہ نہ دی جائے، بلکہ انھوں نے ایک ساتھ دونوں کوششیں جاری رکھیں۔

گذشتہ دو تین صدیوں پہلے تک ہر عہد میں ایک نیا خون اس اُمت کا جزء بنتا رہا ہے، جس نے ایک نئے حوصلہ اور جوش عمل کے ساتھ اسلام کی دعوت کو آگے بڑھایا اور اس کے پیغام کو اونچا اُٹھایا، جیسے جسم کو نئے اور تازہ خون کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح قوموں اور اُمتوں کو بھی تازہ دم خون کی ضرورت ہوتی ہے، جس میں بھرپور ولولہ، محکم عزم، جان پر کھیل کر اپنے مقصد کو حاصل کرنے اور طوفانوں سے گذر کر ساحل مراد تک پہنچنے کا مصمم ارادہ موجود ہوتا ہے، علماء کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس سماج میں رہتے ہوں، وہاں برادرانِ وطن سے قربت پیدا کریں، اپنے پروگراموں میں انھیں مدعو کریں اور خود ان کے پروگراموں میں جائیں، ایسے مواقع پیدا کریں جن میں ان کو اپنی بات سمجھانے اور کہنے سننے کا موقع ملے، اس سے غلط فہمیاں دور ہوں گی، فاصلے کم ہوں گے، دعوتی کاز کو تقویت حاصل ہوگی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم ایک فریضہ منصبی کو ادا کر پائیں گے۔ دعوت کے کام کو قرآن وحدیث اور سیرت آگاہ علماء جس بہتر طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں، کوئی طبقہ انجام نہیں دے سکتا۔ ☆☆☆